1920

آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس

(اجلاس جوبلی)

خطبۂ صدارت

شعبہ تعلیم ثانوی

از

ڈاکٹر ذاکر حسین

۲۹ مارچ ۱۹۳۷ء

حضرات ۔

اس تاریخی تعلیمی انجمن کے محترم کارکنوں کی خدمت میں اس کی پنجاہ سالہ جوبلی پر دلی مبارک باد پیش کرتا ہوں اور اس ذرہ نوازی پر جو مجھے اس شعبہ کی صدارت کے لئے بلاکر فرمائی گئی ہے دلی شکریہ ۔ اپنی بے بضاعتی کے علم کے باوجود اپنی طلبی پر اس لئے خوش ہوں کہ شاید اس سے اس اہم تعلیمی تجربہ میں جو میرے ساتھی جامعہ ملیہ میں کر رہے ہیں ان کی اور میری ہمت افزائی مقصود ہے اور شاید اس میں یہ احساس بھی مضمر ہے کہ مسلمانان ہند کے تعلیمی نظام میں اس کانفرس کے نزدیک صرف ایک خاص قسم کی تعلیم گاہوں کے لئے ہی جگہ نہیں بلکہ اس کی تکمیل ابھی بہت سے دوسرے تعلیمی تجربوں اور کوششوں کی محتاج ہے ۔

اس کانفرنس کو اپنا تعلیمی کام شروع کئے آج ۵۰ سال ہوئے، لیکن محض ۵۰ سال کا گذر جانا کوئی خوشی کی بات نہیں ۔ وقت تو جوں توں بیتتا ہی ہے، زمانہ شاد و ناشاد کٹتا ہی ہے ۔ اس کے گذر جانے پر نہ خوشی کا موقع ہے نہ رنج کا ۔ ہاں خوشی اس پر ہو سکتی ہے کہ جو کام لے کر اٹھے تھے وہ اچھا تھا اور جہاں تک بن پڑا کیا بھی ۔ رنج اس پر ہوسکتا ہے کہ جو پیش نظر تھا اس میں خامیاں تھیں یا اس کے پورا کرنے میں کوتاہیاں ہوئیں ۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ اگر ہم دیانت سے اپنے ماضی کا جائزہ لیں تو شاید خوشی اور افسوس دونوں ہی کے مواقع ملیں گے ۔ مگر یہ ٹھیک نہ ہوگا کہ اس

وقت کو، جب کہ ہم اپنے کام پر ایک مدت کے گذر جانے کی وجہ سے خاص طور پر متوجہ ہوگئے ہیں، یوں ہنس کر یا رو کر گذار دیں۔ بہتر یہ ہے کہ ہم اپنے کام کا جائزہ لیں، اپنی کامیابیوں اور ناکامیوں دونوں سے سبق حاصل کریں اور نصف صدی کے تجربہ کی روشنی میں آگے چلنے کی راہ ڈھونڈیں، یعنی اپنے پچاس سال کے تعلیمی کام پر ایک تنقیدی نظر ڈالیں۔

کسی تعلیمی کوشش پر تنقیدی نظر ڈالنے کے لئے ضروری ہے کہ تعلیم کی صحیح ماہیت پیش نظر ہو۔ آپ کی کانفرنس کا نام اور اس کے کاموں کی تاریخ بتاتی ہے کہ آپ صحیح طور پر تعلیم کو ایک جماعتی کام سمجھتے ہیں۔ فرد کی تمام قوتوں کی پوری پوری نشو و نما جماعت ہی میں ممکن ہے، خصوصاً ذہنی زندگی، کہ حیات انسانی کی خصوصیت ہے، بلا جماعت کے ممکن ہی نہیں۔ ہر جماعت اپنے وجود کو قائم رکھنے، اپنے ماضی کی تحصیلات کو محفوظ کرنے، اور ان میں حسب ضرورت تبدیلی اور اضافہ کرنے کا اہتمام اپنی تعلیمی کوششوں ہی سے کرتی ہے۔ اپنی آنے والی نسلوں کی ذہنی نشو و نما کا کام اپنے موجودہ تمدن کی چیزوں سے لیتی ہے، نو خیز دماغ ان چیزوں سے دو چار ہوتے ہیں تو ان کی خفتہ ذہنی قوتیں بیدار ہوتی ہیں اور تربیت پاتی ہیں۔ اور یوں تربیت پاکر اس متاع تمدنی میں اضافہ کرنے اور اسے بدلنے کی صلاحیت بھی اپنے اندر پیدا کرتی ہیں۔ تعلیم نام ہی اس کا ہے کہ متعلم کے کل قوائے جسمانی و ذہنی کی تربیت کرکے ان میں ہم آہنگی پیدا کی جائے اور اسے تمدنی زندگی کے کل شعبوں کا محرم بناکر اس میں اپنی استعداد کے

مطابق حصہ لینے کے لئے تیار کیا جائے ۔ لہٰذا تعلیمی نظام کی تشکیل اسی وقت ممکن ہے کہ جماعت کے سامنے کوئی تمدنی نصب‌العین موجود ہو ۔

جماعت کے تمدنی مطمح نظر اور اس کے تعلیمی نظام میں جب یہ چولی دامن کا ساتھ ہے تو پھر تعلیم پر تنقید کی دو راہیں ہوسکتی ہیں ۔ ایک تو یہ دیکھنا کہ آیا تعلیم اس تمدنی مطمح نظر کے مطابق ہے یا نہیں اور اس کی صحیح خدمت کرکے اپنا مخصوص وظیفہ انجام دے رہی ہے یا نہیں ۔ یا اگر وہ خدمت گزاری کا یہ فرض انجام دے رہی ہے تو یہ دیکھنا چاہئے کہ خود وہ مطمح نظر درست ہے یا نہیں، عارضی طور پر بعض وقتی حالات نے جماعت کا یہ نصب‌العین بنا دیا ہے، یا یہی اس کا مستقل منتہائے نظر ہے؛ وغیرہ وغیرہ ۔ پہلی راہ گویا وسائل پر تنقید ہے اور دوسری مقاصد پر ۔

میں تنقید کی یہ صورت اس وجہ سے اور بھی اختیار کرنا چاہتا ہوں کہ تعلیم کی تین رسمی تقسیموں یعنی ابتدائی، ثانوی اور اعلی میں ثانوی تعلیم کا تعلق تمدنی زندگی اور اس کے مقاصد سے بہت ہی گہرا ہے ۔ اس لئے کہ ابتدائی تعلیم تو بچہ کو اس عمر میں دی جاتی ہے جبکہ اس کا شعور مقابلۃً بہت محدود ہوتا ہے، اور اس کی ترکیب نفسی میں وحدت ہوتی ہے ۔ وہ تمدن کی تحلیل مختلف اجزاء میں نہیں کر سکتا نہ اس پر تنقیدی نظر ڈال سکتا ہے ۔ وہ تو زیادہ‌تر اپنے ماحول کی زندگی سے غیر شعوری طور پر متاثر ہوتا ہے ۔ اس لئے اس منزل میں معلم کا کام بہت کچھ یہ ہے کہ بچہ کے لئے ایسا مفید تعلیمی ماحول مہیا کردے جس

میں اس کی جسمانی اور ذهنی قوتیں مجموعی طور پر ابھر سکیں۔ اس راہ میں ایک حد تک معلم بچے کو انگلی پکڑ کر چلاتا ھے، اور اگرچہ اچھے استاد کی کوشش بھی ھوتی ھے کہ بچہ جلد بغیر سہارے کے خود چلنے لگے، پھر بھی رستہ بتانے کی ذمہ‌داری بہت کچھہ اسی پر ھوتی ھے۔ یہاں تک کہ بچہ عمر کی اس منزل پر پہنچ جاتا ھے جب وہ ھر چیز کو آپ جانچنا اور پرکھنا چاھتا ھے، جہاں ایک طرف اس میں شعوری تنقید کا مادہ ابھرتا ھے اور دوسری طرف اس کے قوائے ذهنی میں تفریق پیدا ھوتی ھے۔ وہ تمدنی شعبوں کے تنوع کو محسوس کرنے لگتا ھے؛ ان کی کثرت کو دیکھہ کر پریشان بھی ھوتا ھے اور ان میں وحدت کی تلاش بھی کرتا ھے۔ اس منزل میں خصوصیت سے معلم کا کام بہت نازک ھے۔ اب اسے نوجوان متعلم کے سامنے الگ الگ ھر شعبہ زندگی، مذھب، معاشرت، سیاست وغیرہ کی تفسیر کرنی ھے، ان سب کا باھمی ربط سمجھانا ھے، اسے ان میں حصہ لینے کے لئے تیار کرنا ھے مگر اس طرح نہیں کہ نوجوان کی آزادی رائے کو دباکر اسے تقلید پر مجبور کرے بلکہ اس طرح کہ اسے تنقید کا پورا موقع دے، اس کے سارے شک شبہے جہاں تک ھوسکے دور کرے اور جہاں یہ نہ ھوسکے اپنی راہ پر چلنے دے بشرطیکہ وہ دوسرون کی راہ میں حائل نہ ھو۔

اس کے بعد اعلیٰ تعلیم کی باری آتی ھے جس میں نوجوان متعلم عام ذهنی تربیت کی منزل سے گذر کر خاص علوم و فنون میں مہارت حاصل کرتا ھے۔ اگر ثانوی تعلیم صحیح اور

مکمل ہو تو اعلیٰ تعلیم کا مسئلہ بہت سہل ہو جاتا ہے ۔ یہاں بھی اسے ضرور معلم کی مدد درکار ہوتی ہے، مگر اب پیش قدمی اس کی طرف سے ہوتی ہے اور ذمہ‌داری بھی اس کی اپنی ہوتی ہے ۔

مندرجہ بالا بحث سے یہ واضح ہوگیا ہوگا کہ ثانوی تعلیم کی منزل اس لحاظ سے زیادہ اہمیت رکھتی ہے کہ اس میں تمدن کی تفسیر اور ترجمانی کا کام جو معلم کو ہر منزل میں کرنا پڑتا ہے خاص طور پر مشکل ہو جاتا ہے ۔ یہاں معلم کا کام یہ ہے کہ تمدنی زندگی کو مختلف اجزاء میں تحلیل کرسکے ؛ نوجوان کی تنقیدی قوت کو بھی ابھارے مگر صحیح راہ سے بھٹکنے بھی نہ دے، اس کی انفرادیت کا احترام بھی کرے اور اسے جماعتی زندگی سے ربط دینے کی کوشش بھی ۔ غرض یہ کہ یوں تو تعلیم کی ہر منزل میں ایک تمدنی نصب‌العین کا رکھنا ضروری ہے لیکن ثانوی منزل میں معلم کے لئے ناگریز ہے کہ وہ اس نصب‌العین کا واضح تصور اور اس سے دلی لگاؤ رکھتا ہو اور اس کی تفسیر و ترجمانی بخوبی کرسکے ۔

نصب‌العین کے معین ہونے کے بعد ہی نصاب اور طریقہ تعلیم یعنی ان وسائل و ذرایع کا تعین ممکن ہوتا ہے جن سے وہ نصب‌العین حاصل کیا جاسکے ۔ چنانچہ میں اسوقت مسلمانوں کی موجودہ ثانوی تعلیم کے نصب‌العین، نصاب اور طریقہ ہی پر اجمالی تبصرہ کرنا اور یہ بتانا چاہتا ہوں کہ تینوں میں کس حد تک اصلاح کی ضرورت ہے ۔ اس تبصرہ کو مجبوراً مسلمانوں کی جدید تعلیمی کوششوں تک محدود رکھونگا، قدیم نظام تعلیم پر بھی اس نقطۂ نظر سے تنقید ایک ضروری کام ہے، لیکن اس کا یہ موقع نہیں ۔

اکثر کہا جاتا ہے کہ مسلمانوں کی جدید تعلیم، جو سرکاری محکمہ تعلیم کی پابند اور مقلد ہے کوئی نصب العین نہیں رکھتی - مگر میرے خیال میں یہ صحیح نہیں - نصب العین کے وجود کے لئے یہ ضروری نہیں کہ وہ معین الفاظ میں قلم بند ہو؛ تعلیم دینے والوں، تعلیم کا انتظام کرنے والوں، تعلیم دلانے والوں کے ذہن میں اس کا ہونا اور ان کے عمل سے اس کا اظہار کافی ہے -

ہاں، تو یہ نصب العین کیا تھا؟ یہ نصب العین یہ تھا کہ اس ملک کے مسلمانوں میں اعلی اور متوسط طبقہ کے افراد کی جتنی تعداد اپنا پیٹ پال لے، سرکاری نوکریاں پا پا کر آرام چین اور ہاں تھوڑی سی حکومت کے ساتھ زندگی کے دن کاٹنے کے قابل ہوجائے اچھا ہے - یہ چند افراد اپنی خوشحالی کا معیار جسقدر بڑھالیں اتنی ہی قوم خوشحال سمجھی جائے؛ اس راہ میں جو رکاوٹیں ہوں وہ ہر طرح کم کی جائیں؛ مستقبل کے مشتبہ منصوبوں سے حال کی یقینی بہرہ مندیوں میں ہرج نہ ہو، اور قومی آخرت کا تصور انفرادی دنیا کے عیش میں خلل نہ ڈالنے پائے - معاشرت بدلی جائے؛ اپنی پرانی معاشرت بری ہے، اور بری اس لئے ہے کہ ایک با اقبال صاحب اقتدار قوم کی معاشرت سے مختلف ہے - سیاست سے بے تعلقی رکھی جائے اس لئے کہ انفرادی ترقی و ترفع کے لئے اپنی جماعت کے سیاسی اقتدار کی ضرورت کچھ بہت واضح نہ تھی - حکومت کی جو شکل بھی ہو ہو، بس وہ امن قایم رکھ سکے، محکوموں کے معاملات باہمی میں انصاف کرسکے، نوکریاں دے، چند افراد کو مراتب بلند تک پہنچائے کہ اس کا کام نکلے اور ہماری عزت بڑھے - مذہب، کہ صدیوں اس جماعت کی زندگی کا

مرکز رہ چکا تھا، چھوٹتا تو کیسے، ضرور قایم رکھا جائے، مگر اس طرح کہ دوسرے ارادوں میں بھی مانع نہ ہو اور "ترقی" کی راہ میں حائل نہ ہونے پائے۔ معاملات پر، کہ اہل دنیا سے متعلق ہیں، اس کی تعلیمات اور ان کی حکمتوں کو زیادہ نہ ابھارا جائے، چپ چپاتے دوسرے زیادہ 'ترقی یافتہ' اہل دنیا کے اسالیب عمل کو اختیار کرلیا جائے، البتہ عقاید و عبادات پر زبانی زور رہے اور عملاً رخصت؛ اور ہاں، احساس مذہبیت کے باب میں خود فریبی کے لئے مذہب کے ان حصوں پر جو ماوراء عقل ہیں عقلی بحثیں اور فلسفہ و حکمت سے تطابق کی کوششیں بھی ہوتی رہیں تو مضایقہ نہیں۔

اس نصب‌العین کے حصول کے لئے جو نظام تعلیم کار آمد ہو سکتا تھا وہ وجود میں آ گیا: بہت کچھہ دوسروں کی مدد سے، کچھہ کچھہ اپنی کوشش سے۔ اس نظام تعلیم کے پیش نظر ظاہر ہے کہ یہی ہو سکتا تھا کہ نوجوان لکھنا پڑھنا سیکھہ کر سرکاری ملازمت حاصل کرلیں، اپنا پیٹ پال لیں؛ معاشرت میں مغربی نمونوں کی بھلی بری نقل اتار سکیں؛ مذہب کے سرے سے منکر تو نہ ہوں مگر اس کی حیات بخش اور زندگی پرور قوت سے محروم رہیں تو ہرج نہیں؛ سیاست کے جھگڑوں سے الگ تھلگ رہیں، شخصی مفاد کی خاطر قوم کا نام لینے کی ضرورت پڑی تو یہ ہنر زمانہ خود سکھا دیگا۔ یعنی تعلیم عبارت تھی چند جزوی ہنر مندیوں سے، اطاعت شعاری کی چند عادتوں سے، انفرادی معاشی خوشحالی کے لئے مسابقت اور مقابلہ کے رجحانات سے۔

ہم نے جو تعلیمی ادارے خاص مسلمانوں کے لئے بنائے

اور ان میں اپنی قوت اور وقت اور وسائل کا جو صرف کثیر نصف صدی سے زیادہ سے کیا ان کو دیکھئے ۔ کیا انہوں نے بھی اسی نصب‌العین کی خدمت انجام نہیں دی ۔ اکبر مرحوم نے 'تعلیم یافتہ' آدمی کی زندگی کا جو خلاصہ کیا ہے کہ بی ۔ اے کیا' نوکر ہوے' پنشن ملی اور مرگئے؛ کیا وہ ہمارے ان ملی اداروں کے تعلیم یافتوں پر بھی صادق نہیں آتا؟ ہم کس معنی میں انہیں اسلامی ادارے بتاتے ہیں؟ کیا اسلام میں زندگی اسی پیٹ پالنے اور مرجانے کا نام ہے؟ کیا اسلام کے پیش نظر جماعت کا یہی تصور ہے کہ وہ الگ الگ افراد کا بس ایک اتفاقی اور افادی مجموعہ ہے؟ کیا اسلام کی مذہبیت ایسی ہی رسمی اور خارجی چیز ہے جیسی کہ ان مدرسوں کے عمل سے ظاہر ہوتی ہے؟ کیا اسلام کی سیاست ایسی ہی عافیت پسندی اور دریوزہ گری کی سیاست ہے؟ کیا شخصی مفاد کی خاطر اسلام اپنے ماحول اور اپنی جماعت کے مقاصد کی طرف سے ایسی ہی بے اعتنائی سکھاتا ہے جیسی کہ ہم نے اپنی تعلیمی کوششوں سے پیدا کی ہے؟ نہیں اور ہزار بار نہیں ۔

مگر یہ رونا اپنے تعلیمی نظام کا نہیں اپنی قومی زندگی کا رونا ہے ۔ قومی انتشار و انحطاط نے قوم کے نصب‌العین ہی کو اتنا پست بنا دیا تھا' پھر تعلیم اپنا دامن کیسے بچاتی ۔ لیکن اس وقت کہ ہم کچھ کچھ اس نصب‌العین کو غلط سمجھنے لگے ہیں اگر اس تعلیمی نظام کو ہم نے نہ بدلا تو پھر خود نصب‌العین کو پست رکھنے کی ذمہ‌داری بھی تعلیم پر آئیگی ۔ شکر ہے کہ آج پھر ہمیں اپنی حقیقت کا کچھ کچھ احساس ہوتا جاتا ہے ۔ ہم کچھ کچھ

سمجھتے جاتے ہیں کہ قومی زندگی کا وہ انفرادی انتشاری تصور ہم نہیں اپنا سکتے جو اس دور انحطاط میں ہم پر مسلط ہوگیا تھا، کہ اس سے تو وجود ملت ہی کے مٹ جانے کا خدشہ ہے۔ ہم پھر اپنی ملی ہستی کی خالص دینی اور اخلاقی اساس کو دیکھنے اور سمجھنے لگے ہیں۔ ہمیں اپنی ملت کے انسانی اور عالمی فرائض کا بھی کچھ کچھ دھیان پھر آنے لگا ہے۔ اور کانوں اور دلوں تک شہداء علی الناس کے مرتبہ اور ذمہ داریوں کی یاد دلانے والی آوازیں بار پانے لگی ہیں۔ ہم دین کی خارجی رسمیت کی جگہ اس کی تخلیقی اور تنویری قوت کی طرف بھی آنکھیں اٹھانے لگے ہیں جو ساری زندگی پر حاوی ہوکر اسے با مقصد و با معنی بناتی اور کل زندگی اور کل کائنات میں ہمیں ہماری حیثیت اور جگہ بتاتی ہے۔ اور ایک ایسی دنیا جو نسل، وطن، اور دولت کی تفریقوں سے انسانیت کے لئے جہنم بن گئی ہے پھر ہم سے اس حقیقی عدل و مساوات کی فرمانروائی کا پیام سننے اور اس کا عملی تجربہ دیکھنے کے لئے بیتاب ہے جو ایک امی نبی نے دنیا کو سنایا اور دکھایا تھا۔ کیا ملت اسلامی اس تقدیر، اس موقع اور اس ذمہ داری کو دو روٹیوں کے بدلے بیچ دیگی؟

اس سوال کا جواب آپ کے ذمہ ہے۔ اس لئے کہ قوم کے عام نصب العین کو بدلنے کا کام اس کے مدبروں اور مفکروں، اس کے ادیبوں اور شاعروں، اس کے دینی خادموں اور سیاسی کارکنوں، کا بھی ہے اور اسکے اعلی تعلیمی اداروں کا بھی۔ اسی لئے مسلمانوں کی اعلی تعلیم کے اس مرکز میں جہاں اکابر ملت اس خاص موقع پر مجتمع ہیں میں نے آپ کی توجہہ اس طرف منعطف

کرانے کی جرأت کی - اگر آپ اپنی حیات قومی کی موجودہ حالت پر مطمئن نہیں ہیں تو آپ کا فرض ہے کہ قوم کو ان مضر خیالات اور مہلک ذہنی عادات سے نجات دلائیں جن سے اس کا وجود خطرہ میں ہے - جوں جوں آپ قومی تخیل میں اس نئے، مگر دراصل پرانے، نصب‌العین کو جاگزیں کرتے جائینگے آپ کا نظام تعلیم اسکے ساتھہ ساتھہ بدلنے پر مجبور ہوگا اور ایک نظام تعلیم کیا حیات ملی کے تمام گوشے جنھیں پست مقصدی نے اجاڑ دیا ہے نئی امنگوں اور نئے ولولوں، نئی کوششوں اور نئی امیدوں، غرض ایک نئی زندگی کی بہار سے لہلہانے لگینگے -

اور اگر آپ اپنی قومی زندگی کی موجودہ پستی پر مطمئن ہیں تو میں آپ کو بشارت دیتا ہوں کہ آپ کے ثانوی مدرسے ہی کیا آپ کا سارا تعلیمی نظام بالکل ٹھیک ہے - اس میں ذرا تبدیلی نہ کیجیے - وہ معاشرت میں اتھلی تقلید، مذہب میں کھوکلی رسمیت، سیاست میں محکومیت پسندی کی پیدا کرنے، علم میں ذوق تحقیق سے اور فنون میں ذوق تخلیق سے نوجوانوں کو بے بہرہ رکھنے اور کمزور جسم، بے نور دماغ، اور بے سوز دل پیدا کرنے کے نہایت کامیاب کارخانے ہیں -

لیکن باوجود اپنے عام تمدنی اطمینان کے شاید آپ پھر بھی ان مدرسوں کی نوعیت بدلنے پر مجبور ہوں - اس لئے کہ وہ اب اپنی اصلی اور بنیادی غایت کو پورا نہیں کرتے یعنی روزی نہیں دلاسکتے - وہ روزی کا سامان کرتے تھے سرکاری نوکریاں دلاکر، اب اس چراگاہ میں اتنا بڑا گلہ پہنچ چکا ہے کہ یہ اوروں کے لئے تنگ ہے - چنانچہ ان مدرسوں کے حامی بھی پریشان

ہیں کہ کیا کریں ۔ آئے دن نئی نئی تجویزیں بنائی جاتی ہیں ۔ ایک منزل تعلیم میں مدت کم کی جاتی ہے دوسری میں بڑھائی جاتی ہے، عام ذہنی تعلیم و تربیت پر تنقید اور طعن کا تان ٹوٹنے میں نہیں آتا اور جلد سے جلد تعلیمی نظام میں کسی صنعت یا حرفت یا پیشہ کی تعلیم داخل کرنے کا مطالبہ عام ہوتا جاتا ہے۔ میرا گمان ہے کہ یہ سب نئی تجویزیں اسی نصب العین کی خادم ہیں جس کا ذکر اوپر کر چکا ہوں ۔ اب محرری کرکے روٹی نہیں ملتی تو کچھ اور سکھا دینا چاہئے کہ پیٹ پالنے کی صورت نکلے ۔ مگر مجھے ڈر ہے کہ یہ ہنر اور دستکاری کو مدرسوں میں داخل کرنے کی تجویزیں سب کو روزی دلانے کا کام جس قدر آسان سمجھتی ہیں وہ اتنا آسان ہے نہیں ۔ وہ مدرسوں میں تھوڑا سا ایر پھیر کرنے سے حل نہ ہوگا ۔ جن ملکوں میں صنعتی تعلیم کے ادارے ہر سیکھنے والے کو دولت آفرینی کے بے شمار ڈھنگ سکھانے کو موجود ہیں وہاں بھی بیکاری سے نجات نہیں۔ کام سیکھے نوجوان کام کرنے کو تیار مارے مارے پھرتے ہیں اور کوئی کام نہیں ملتا ۔ اس لئے یہ سمجھکر اپنے کو دھوکا نہ دیجئے کہ آپ اپنے مدرسوں میں جزوی تبدیلیوں سے اس مسئلہ کو حل فرمالینگے ۔ یہ اس سے بہت زیادہ وسیع مسئلہ ہے، یہ ساری قوم کی معاشی تنظیم کا مسئلہ ہے، قوائے دولت آفریں کے بہتر نظم، اور تقسیم دولت کے بہتر طریقوں کا مسئلہ ہے، یہ قومی سرمایہ اور قومی محنت کے صحیح تعاون کا مسئلہ ہے، شرح پیدائش اور شرح اموات کو قابو میں لاکر آبادی کو ایک خاص درجہ پر قایم رکھنے کا مسئلہ ہے، یہ مدرسوں میں خیاطی اور نجاری کے جاری کردینے یا ان کے اجراء پر ایک رپورٹ شایع کردینے سے حل نہیں ہوگا ۔

کون انکار کرسکتا ہے کہ روٹی کمانا زندگی کے اہم ترین کاموں میں سے ہے ۔ لیکن اس فرض کے پورا کرنے میں آدمی پر اپنی شخصیت ' انفرادیت اور آدمیت کا احترام بھی لازم ہے ۔ جانور بھی اپنا پیٹ پالنے کے لئے اپنی فطری جبلت اور قدرتی صلاحیت کو ترک نہیں کرتے ۔ غریب انسان کیوں اپنے پیٹ کی خاطر اپنی فطرت اور قدرتی صلاحیتوں کی بھینٹ چڑھانے پر مجبور ہو ۔ عام انسانی معیشت کے لئے بھی یہی اچھا ہے کہ آدمی وہی پیشہ اختیار کرے جس کی خاص صلاحیتیں اس میں ودیعت کی گئی ہیں ۔ حسن اتفاق کہ جو آدمیت اور معیشت دونوں کا تقاضا ہے صحیح تعلیم کی بھی وہی ایک راہ ہے ۔ اس لئے کہ تعلیم کا ایک یہی صحیح طریقہ تو ہے کہ جب ثانوی منزل میں طالبعلم کے ذہن میں تفریق پیدا ہو تو اس کی ذہنی نشو و نما ان اشیاء تمدنی کے ذریعہ کی جائے جو اس کی مخصوص ذہنی ساخت اور فطری صلاحیتوں کے مطابق اور مناسب ہوں ۔ تمدنی اشیاء ذہن معروض ہوتی ہیں، ان کے اندر اپنے وجود میں لانے والے یا لانے والوں کی ذہنی قوتیں محفوظ ہوتی ہیں، جب کوئی دوسرا دماغ ان کو سمجھتا ' اپناتا ' برتتا ہے تو یہ قوتیں اس دماغ کی نشو و نما کا سامان بہم پہنچاتی ہیں ۔ اہل علم کے اس مجمع پر یہ بات مخفی نہ ہوگی کہ ان ذہنی قوتوں کے ذریعہ جو اشیاء تمدن میں مضمر ہوتی ہیں دوسرے ذہنوں کو غذا پہنچانا اور اس سے ان کو تربیت دینا ہی اصل تعلیم ہے ۔ تعلیم نام ہی ذہن معروض کے یوں ذہن موضوع بننے کا ہے ۔

اگر یہ نکتہ ان لوگوں کے پیش نظر ہو جو ہمارے نظام

تعلیم، خصوصاً ثانوی تعلیم کے نظام، کو بدلنے کے منصوبوں پر طبع آزمائی فرماتے ہیں تو غالباً وہ محض چند انتظامی تبدیلیوں سے، یا 'مضامین' کے اضافہ یا کمی سے، یا مدت تعلیم کی کاٹ چھانٹ سے، یا یونیورسٹی پر نوجوانوں کی یورش کو روکنے کے لئے ایک خاص عمر تک عام تعلیم دینے کے بعد صنعتی 'تجارتی، زراعتی مدرسوں میں اس ریلے کو موڑنے کی تجویزوں سے ہماری تعلیمی گتھیوں کو سلجھانے کی کوشش نہ کریں اور زیادہ بنیادی غور و فکر کے بعد اصلاح کی شاید زیادہ بنیادی تدابیر سوچیں ۔

مثلاً ہماری ابتدائی تعلیم کے سراسر صلاحیت کش نظام کو بدلے بغیر وہ ثانوی تعلیم کو درست کر سکنے کی موہوم امیدیں نہ باندھیں ۔ شاید وہ سمجھیں کہ بچپن میں جب کہ فطرت بچے کو اپنے ماحول سے تجربہ کرنے پر مجبور کرتی ہے، جب گرد و پیش کی چیزوں کو برت کر، بنا کر، بگاڑ کر، توڑ کر، جوڑ کر سمجھنے اور ان سے تعلقات قائم کرنے پر طبیعت اسے دم بدم اکساتی ہے، جب وہ اپنے حواس کی مشق چاہتا ہے، جب وہ اپنے اعضاء و جوارح کے استعمال سے ان کی قوت کا احساس اپنے اندر قوی کرنا چاہتا ہے، یعنی جس عمر میں معمولی بچوں کی بہت بڑی اکثریت کا رجحان طبع عمل اور تجربے کی طرف ہوتا ہے اس عمر میں ہم ان کو صرف کتابیں دے کر تنگ و تاریک مکانوں میں قیدیوں کی طرح نہ بٹھائیں اور ان کو ان کے فطری ماحول سے جدا کرنے کی وہ موثر تدبیریں نہ کریں جو ہم اپنے ابتدائی مدارس میں کرتے ہیں ۔ شاید ہم اصلاح اور تبدیلی کی ایسی تدبیریں نکال سکیں جن سے ہمارے ان ابتدائی مدرسوں میں سہمے ہوئے، پژمردہ چہروں

کی جگہ خوش خرم، ھنستے بولتے بچے دکھائی دیں اور ھمارے مدرسوں کی قبرستانوں جیسی خاموشی' بس پہاڑوں کی رٹائی اور سزا پاکر چیخنے کی آوازوں ھی سے نہ ٹوٹے بلکہ ان کی فضا بچوں کی ھنسی، ان کے کھیل کے شور اور ان کے کام کی ھمہماھٹ سے معمور ھو - تاکہ تقاضاے فطرت کے خلاف محض کتابی تعلیم پاکر ان کی ابھرتی ھوئی صلاحیتیں پوشیدہ یا پژمردہ نہ ھو جائیں اور ھم ثانوی تعلیم کی منزل میں پہنچنے کے وقت کم و بیش معلوم کر سکیں کہ بچے کی طبیعت کا عام رجحان کیا ھے -

شاید خالی قیاسی تک بندیوں کو چھوڑ کر ھم اپنے تعلیمی ماھروں سے یہ معلوم کرائیں کہ بچے کے شعور میں صلاحیتوں کی تفریق کس عمر میں شروع ھوتی ھے اور اس کی اشکال نفسی کے کون کون سے عام سانچے ھیں تاکہ ابتدائی تعلیم کے ختم پر والدین اور سرپرستوں ھی کو نہیں حکومت کو بھی یہ مشورہ دیا جا سکے کہ ان بچوں میں کس قسم کی خاص صلاحیتوں اور کن خاص رجحانات کا پتہ چلتا ھے اور ان کو کس قسم کی ثانوی تعلیم دینی چاھئے -

اور پھر شاید ان متفرق صلاحیتوں کو پیش نظر رکھہ کر ھم کئی قسم کے ثانوی مدارس ساتھہ ساتھہ قائم کریں جن میں سے کوئی لسانی و تاریخی رجحان طبع کی رعایت سے اسی کے مطابق تمدنی اشیاء سے اپنے طلبہ کی ذھنی تربیت کا انتظام کرے ؛ کوئی حکمیاتی - صنعتی صلاحیتوں کو سامنے رکھے ؛ کوئی جمالیاتی تحقیقی میلانات کو - لیکن چونکہ سب صورتوں میں پورے یقین کے ساتھہ یہ معلوم ھوجانا ضروری نہیں کہ طبیعت کا مستقل

رجحان کیا ہے اس لئے ان ثانوی مدارس میں بھی شاید اس بات کا اہتمام کیا جاے کہ مدرسہ کا مخصوص نصاب طالب علم کا سارا وقت نہ لے لے بلکہ اس کے لئے دوسرے مشاغل کا بھی موقع ہوتا کہ دوسری صلاحیتیں بھی اگر ہوں تو بے استعمالی سے پژمردہ نہوجائیں اور اگر کسی صلاحیت کے اندازے میں غلطی ہوئی ہے تو اس کی تصحیح ہوسکے۔

اگر یہ انتظام ہوجاے تو شاید ہم عام تعلیم اور پیشہ کی تعلیم کے تضاد پر بے سود بحثوں اور روٹی کمانے اور آدمی بنانے کی جدا جدا تعلیموں کے امکان پر لاحاصل طبع آزمائیوں سے بچ جائیں۔ اس لئے کہ جب ثانوی تعلیم کا یہ متنوع نظام اپنے طلبہ کی فطری صلاحیتوں کی رعایت شروع ہی سے رکھے گا تو گویا یہ ثانوی مدرسے دراصل عام طور پر تو اس پیشے ہی کے لئے طلبہ کو تیار کریں گے جن کے وہ اہل ہیں۔ تمدن کے اس مخصوص شعبے کی مدد سے جس کے ساتھ اسے طبعی مناسبت ہے ہر طالب علم کی ذہنی نشو و نما کا سامان ہوگا اور یوں تربیت پاکر یہ تمدن کے دوسرے شعبوں سے بھی متمتع ہوسکے گا۔ شاید ان تعلیم کا انتظام کرنے والوں سے، جو اس وقت میرے تخیل کے سامنے ہیں، یہ حقیقت پوشیدہ نہوگی کہ ثانوی تعلیم تمدن کے کسی مخصوص جز کی مدد سے ہی طلبہ کو کل تمدن کا محرم بنا سکتی ہے اور پہلے پورا متمدن انسان بنا کر مخصوص صلاحیتوں کی تہذیب نہیں ہوتی بلکہ مخصوص صلاحیتوں کی تربیت کے ذریعہ ہی پورا متمدن انسان بنتا ہے۔

ذہنی تربیت کے لئے تو کہیں ادب و لسانیات سے، کہیں

فنون لطیفہ سے، کہیں صنعت و حکمیات سے مختلف مدرسے زیادہ کام لیں گے لیکن غالباً ہماری ثانوی تعلیم کا یہ نیا نظام اپنے طلبہ کے افق اقدار کو معین کرنے اور وسعت دینے کے لئے، انہیں اپنے نصب العین سے آگاہ کرنے، انھیں اپنے ماضی کا رمز شناس بنانے، اور ان میں مستقبل کے امانت دار ہونے کا احساس پیدا کرنے کے لئے تمام مدارس میں اپنے دین، اپنی تاریخ اور اپنی زبان کی تعلیم کا خاص انتظام رکھے گا اور انھیں خالی چندہ وصول کرنے یا اعتراضات ٹال سکنے کا وسیلہ نہ بنائیگا ــــ وہ ان چیزوں کی تعلیم کے بہتر سے بہتر اسلوب ڈھونڈھیگا، ان پر بہتر سے بہتر تعلیمی سامان فراہم کریگا اور ان کی تعلیم کے لئے بہتر سے بہتر استاد تیار کرنے کا خاص اہتمام کریگا ــــ اس لئے کہ ثانوی تعلیم کی منزل میں نوجوان اپنے جذبات کی تہذیب کے لئے شخصی مثال کا بہت ہی زیادہ محتاج ہوتا ہے اور اخلاقی و مذہبی اقدار کی پہچان اور ان سے لگاؤ کے لئے تو اکثر تاریخی اور اپنے ماحول کی شخصیتوں کا اثر ہی فیصلہ کن ثابت ہوتا ہے۔

شاید یہ نیا نظام اپنے استادوں کا اس سے زیادہ احترام کریگا جتنا کہ ہم آج کل کرتے ہیں۔ وہ شاید بہت دیکھ بھال کے بعد کسی کو استاد بننے دیگا لیکن جس کو استاد بنائیگا اسے قومی زندگی میں وہ مرتبۂ بلند بھی دیگا جس کا کہ ہر اچھا استاد مستحق ہے۔ وہ اپنے نوجوانوں کو، کہ سب سے گراں بہا متاع ملی ہیں، ان استادوں کے سپرد کرے گا تو ان کی امانت پر بھروسا بھی کریگا۔ پھر ان استادوں کے پاس قوم کے دل کی کنجی ہوگی، ان کی شخصیت کے جادو سے اجاڑ دلوں سے

حیات تازہ کے چشمے ابلیں گے اور متحیر و متلاشی نوجوانوں کی شب تاریک جستجو بے شمار راہ نما تاروں سے جگمگا اٹھے گی -

شاید اس نئے نظام میں، جس کا ذکر اس وقت ایک خواب کے بیان سے زیادہ نہیں معلوم ہوتا مگر جس کو سچ کر دکھانا بہت کچھہ آپ کے میرے ھاتھہ میں ہے، غالباً تعلیم کا خالص کتابی و نظری طریقہ بھی اس طرح نہ چھایا رہیگا جیسا کہ آج ہے اور مدرسوں میں ہمارے بچے اور نوجوان صرف سن سن کر اور مقررہ کتابیں پڑھ پڑھ کر اپنے دماغوں کو غیر منہضمہ معلومات اور واقفیت سے نہ اٹا کریں گے بلکہ کارگاھوں اور معملوں اور کتب خانوں میں اپنی جستجو، اپنے شوق اور اپنی محنت سے، بے شک شفیق اور لائق استادوں کی نگرانی میں مگر اپنی آزادی اور ذمہ داری کے پورے احساس کے ساتھہ، سچے اکتشاف کی لذت سے آشنا ہو سکیں گے -

لیکن ذہنی تحصیل کے اس انفرادی طریقہ کے باوجود شاید یہ مدرسے جماعتی احساس پیدا کرنے اور جماعتی تعاون کی عادت ڈالنے کے مواقع اور وسائل سے اس طرح تہی دامن نہونگے جس طرح ہمارے موجودہ مدارس ہیں اور شاید سیرت کی تربیت کو معلومات کے حصول سے پیچھے رکھنے پر یہ مدرسے کسی حال میں راضی نہونگے - شاید جماعتی احساس اور جماعت کی خدمت کا ولولہ ان مدرسوں میں خالی زبانی تلقین کے ذریعہ پیدا نہ کیا جائیگا بلکہ مدرسوں کی زندگی خود باہر کی جماعتی زندگی کا نمونہ ہوگی اور اسکے انتظام و انصرام کا بوجھہ زیادہ تر خود طلبہ

پر ہوگا ۔ ہمارے یہ نئے مدرسے نوجوانوں کی خود مختار آبادیاں ہوں گے جن میں نئی نسل اپنی جماعتی زندگی کی تشکیل کا عملی تجربہ حاصل کرے گی اور ایک آزاد قوم کے نوجوان آزادی کو قائم رکھنے اور برتنے اور ترقی دینے کے لئے تیار ہوں گے ۔

ہمارے یہ نئے مدرسے شاید باہر کی دنیا سے ایسے بے خبر نہونگے جیسے کہ آج ہیں اور ثانوی تعلیم کے اداروں میں استادوں کو یہ فکر نہوگی کہ اپنے طلبہ کو مدرسے کے کانچ گھر میں چھوئی موئی کی طرح دنیا سے الگ تھلگ رکھیں بلکہ یہ فکر رہا کریگی کہ ان نوجوانوں کے لئے قومی زندگی کے مختلف شعبوں میں کہاں کہاں خدمت کے مواقع پیدا کریں اور کس کس طرح انھیں حقیقی زندگی سے دو چار کرنے کی سبیل نکالیں ۔ اس لئے کہ ان مدرسوں کے استاد اپنی زندگی کا مقصد ھی یہ سمجھیں گے کہ ایک طرف طلبہ کی فطری خصوصیات کا پاس رکھہ کر ان کے ذھن کی تربیت کریں اور دوسری طرف اس تربیت یافتہ ذھن کو قومی نصب‌العین کا خادم بنائیں اور اس لئے تیار کریں کہ یہ اپنی جماعت کو انسانیت کی فلاح یعنی مرضی الٰہی کے پورا کرنے کا آلہ بنائیں ۔

ہمارے یہ مدرسے بے شک اسلامی مدرسے ہونگے اور اسلامی نصب‌العین ھی ان کے سامنے ہوگا مگر اس نصب‌العین کی کوئی تنگ اور غلط تعبیر اس مدرسوں کو فرقہ پروری اور جماعتی خود غرضی کا مرکز نہ بنانے پائیگی اور بے جا تعصب ان کی نظر سے اس نکتے کو نہ چھپا سکےگا کہ اگر ہم مسلمان کی حیثیت سے حریت خواہ ہونے پر مجبور ہیں، اگر ہم دنیا سے ہر قسم

کی غلامی کو مٹانے پر مامور ہیں، اگر ہم انسانیت کی ایسی معاشی تنظیم چاہتے ہیں جس میں امیر و غریب کا فرق انسانوں کی اکثریت کو انسانیت کے شرف ہی سے محروم نہ کردے، اگر ہم دولت کی شرافت کی جگہ تقوی کی شرافت کا قیام چاہتے ہیں، اگر ہم نسل و رنگ کے تعصبات کو مٹانا اپنا فرض سمجھتے ہیں تو ان سب فرائض کو پورا کرنے کا موقع سب سے پہلے خود اپنے پیارے وطن میں ہے جس کی مٹی سے ہم بنے ہیں اور جسکی مٹی میں ہم پھر واپس جائیں گے۔ چنانچہ ہمارے نئے مدرسوں کی تعلیم نوجوانوں کے دل میں جماعتی خدمت کی وہ لگن لگائیگی کہ جب تک ان کے ارد گرد ان کے اپنے گھر میں غلامی رہیگی اور افلاس، فلاکت رہیگی اور جہل، بیماریاں رہینگی اور بدکرداریاں، پست حوصلگیاں رہیں گی اور مایوسیاں یہ چین کی نیند نہ سوئیں گے اور اپنے بس بھر ان کو دور کرنے میں اپنا تن من دھن سب کھپائیں گے۔ یہ روٹی بھی کمائیں گے اور نوکریاں بھی کریں گے، پر ان کی نوکری خالی پیٹ کی چاکری نہ ہوگی بلکہ اپنے دین کی اور اپنے وطن کی خدمت ہوگی، جس سے ان کے پیٹ کی آگ ہی نہیں بجھے گی دل اور روح کی کلی بھی کھلے گی۔ یہ اپنے دینی نصب‌العین ہی کی وجہ سے اپنے دیس کی، کہ کبھی دنیا اسے جنّت نشان کہتی تھی پر جو آج بے شمار انسانوں کے لئے دوزخ سے کم نہیں، سیوا کریں گے اور اسے ایسا بنائیں گے، کہ پھر اس کے بھوکے، بیمار، بے کس، بے امید، غلام باسیوں کے سامنے، انہیں اپنے رحمن و رحیم، رزاق و کریم، حی و قیوم، خدا کا نام لیتے وقت شرم سے سر نہ جھکانا پڑیگا کہ انہیں بعض کی زیادتیوں اور بعض

کوتاهیوں نے ، بعض کے ظلم اور بعض کی غفلت نے آج اس حال کو پہنچادیا ہے کہ ان کا وجود محدود نگاہوں کو اس کی شان ربوبیت پر ایک دھبّہ سا معلوم ہوتا ہے ۔

اور یہی نہیں یہ اپنی اس بے غرض خدمت سے خود اپنے دیس والوں کو تنگ نظر وطنیت کے عذاب سے بچائیں گے اور اپنے وطن کو دنیا اور انسانیت کا خادم بنائیں گے ۔ ہمارا وطن اپنی آبادی کے لئے دوسروں کی بربادی ، اپنی ترقی کے لئے دوسروں کا تنزل ، اپنی قوت کے لئے دوسروں کی کمزوری، اور اپنی آزادی کے لئے دوسروں کی غلامی کے سامان کبھی نہ کرے گا ۔ بلکہ جس طرح ہمارا ہر فرد اس نئے نظام تعلیم کی مدد سے اپنی تمام مخصوص صلاحیتوں کو نشو و نما دے کر اپنی تربیت یافتہ شخصیت کو جماعتی خدمت کے لئے وقف کرے گا اسی طرح ہمارا وطن اپنی تمام مخصوص قوتوں کو ترقی دے کر دنیا اور انسانیت کی خدمت گزاری کا شرف حاصل کرے گا ۔

آپ کہیں گے کہ یہ شخص ہمیں مستقبل کے یہ فرضی افسانے کیوں سنا رہا ہے ۔ معاف کیجئے اس لئے سناتا ہوں کہ اسی طرف امید کی ایک جھلک نظر آتی ہے اور ہر جگہ «شاید» اس لئے لگاتا جاتا ہوں کہ اپنے آس پاس ان امیدوں کے برآنے کے خلاف بھی قرائن پاتا ہوں ۔ لیکن ایک بات یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں اور وہ یہہ کہ اگر مسلمانوں کو اس ملک میں ایک خود دار آزاد جماعت کی طرح زندہ رہنا ہے تو ان کو اپنی قومی زندگی کے پچھلے پون سو سال پر سختی سے محاسبہ کرنا ہوگا، پچھلی مساعی کے تہ میں جو نصب العین کار فرما تھا اس پر نظر ثانی کرنی ہوگی

اور اگر اس سے اعلی تر نصب‌العین ان کے ھاتھ آگیا، جیسا کہ میرے عقیدے میں ضرور آئیگا، تو پھر اس نصب‌العین کے حصول کے لئے منجملہ اور چیزوں کے اپنا ایک خاص نظام تعلیم بھی مرتب کرنا ھوگا جو کسی دوسرے ناقص نظام کی ناقص تر نقل نہوگا بلکہ ھماری مخصوص تخلیق ھوگا؛ ھمیں ثانوی تعلیم کے نظام سے پہلے عام ابتدائی تعلیم کا نظام بنانا اور جاری کرنا ھوگا؛ ایک خاص عمر پر بچوں کے رجحانات کی پڑتال کا انتظام کرنا ھوگا؛ پھر ثانوی تعلیم کے لئے ایک ساتھ مختلف قسم کے، غالباً چار پانچ قسم کے مدارس قائم کرنے ھونگے؛ ان مدرسوں میں علاوہ اس شعبۂ تمدن کے جو ھر مدرسہ کا مخصوص ذریعہ تعلیم ھوگا اپنے دین اپنی تاریخ اور اپنی زبان کی تعلیم کا نصاب معین کرنے اور اس کے استادوں کی تیاری میں خاص توجہ سے کام لینا ھوگا؛ ذھنی نشو و نما میں انفرادی طریقہ کے ساتھ مدارس کے اندر اور باھر جماعتی خدمت کے مواقع کثرت سے فراھم کرنے ھوں گے؛ کتابی تدریس کی جگہ عملی اکتشاف کو دینی ھوگی اور خالی واقفیت کی جگہ صحیح ذھنی تربیت اور خالی علم کی جگہ اچھی سیرت کو مرکز توجہ بنانا ھوگا اور اپنے مدرسوں کو قومی زندگی کے ساتھ ربط دینے کی تدبیریں نکالنی ھونگی -

میں نے دشوار کاموں کی ایک خاصی لمبی فہرست گنوا دی لیکن یہ صرف ان کاموں کے نام ھیں ان کی تفسیر و توضیح بہت کچھ چھان بین اور تحقیق کی محتاج ھے - پہلے ان میں سے ھر مقصد کا واضح تعین ضروری ھے اور پھر اس کے وسائل کی تلاش - ان پر آپ کے بہترین دماغوں کی سالہا سال کی کوشش صرف

ہوگی - یہ سب مشکل کام ہیں لیکن کرنے کے کام ہیں اور میں سمجھتا ہوں کہ اگر کوئی قومی جماعت واقعی انہیں کرانا چاہے تو کرنے والے بھی مل سکتے ہیں - میری آرزو ہے کہ یہ کانفرنس اپنے آیندہ لائحۂ عمل میں ان تحقیقی کاموں کی انجام دہی کو شامل کر لے لیکن مجھے معلوم نہیں کہ ایسا ہوسکے گا یا نہیں - اگر نہوسکا تو آج ہم تو اس کانفرنس کے پچاس سالہ وجود پر خوشی منا رہے ہیں، ڈر ہے کہ آئندہ پچاس سال بعد خاکم بدھن اس کا ماتم کرنے والے بھی موجود نہ ہونگے - قومی تعلیم کی موجودہ بے راہروی شاید قوم کے وجود ہی کو ختم کردے - اور پھر یاد انہیں کی کی جاتی ہے جو مشکل کام اپنے سر لیتے ہیں، یا تو طوفاں میں طوفان کا مقابلہ کرتے ہیں یا طوفان سے پہلے اس کے مقابلے کی تیاری - ہمارے پچھلے کام کرنے والوں نے بھی جو کام اٹھایا تھا وہ اس وقت کچھہ بہت سہل کام نہ تھا اور باوجودیکہ ہم رفتہ رفتہ اپنے پچھلے پچاس سال کے کام سے غیر مطمئن ہوتے جاتے ہیں اور اس کا نصب‌العین آج ہمیں پست نظر آتا ہے لیکن جن لوگوں نے اس کام کو شروع کیا تھا ان کے زمانے کی بےحسی کو یاد کیجئے اور قومی زندگی کے شیرازے کے اس انتشار کا خیال کیجئے جو ان کی آنکھوں نے دیکھا تھا اور ان کی ان کوششوں پر بھی جو آج ہمیں زیادہ نہیں جچتیں، قوم کی مخالفت اور حالات کی نامساعدت کا اندازہ لگائیے تو پتہ چلتا ہے کہ بونوں کی ایک جماعت میں یہ لوگ دیو تھے دیو- ان کے کام پر تنقید، مستقبل کی راہ تلاش کرنے کے لئے بیشک ضروری اور مفید ہے اور اس سے ہرگز جھجکنا نہ چاہئے مگر ان کی شخصیتوں کی عظمت، ان کے

ارادوں کی مضبوطی، ان کی نیتوں کا خلوص دشمن سے بھی خراج تحسین وصول کئے بغیر نہیں رہتا ۔ ان کے کاموں کی تنقید کیجئے اور بن پڑے تو ان سے بہتر کام کیجئے مگر ان کی همت اور عزم اور بے غرض خدمت کی یاد پر احسان مندی کے دو پھول ضرور چڑھاتے جائیے ۔

آوازہ خلیل ز بنیاد کعبہ نیست
مشہور گشت زانکہ در آتش نکو نشست

کاش آج کے بدلے ہوے حالات میں ہم بھی اسی عزم و همت کا ثبوت دے سکیں اور اپنی قومی زندگی کے تحفظ و ترقی کے لئے ایک نئے نظام تعلیم کی داغ بیل ڈالنے کا کٹھن مگر ضروری کام شروع کردیں ۔

۵۳۲۱

مطبوعہ جامعہ پریس، دہلی